© rasailojaraid.com

ڈاکٹر سفیر اختر

قانون توہین رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں اوّلین ترمیم

دفعہ 295 الف کا تاریخی پس منظر

"قانون توہین رسالت" (تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295) کی ذیلی دفعات "ب" اور "ج" تو پاکستان کی "پارلیمینٹ" کے اضافات ہیں مگر اس قانون کی ذیلی دفعہ "الف" 1927ء میں شامل کی گئی تھی جس کے پس منظر میں مولانا محمد علی جوہر (1878ء، 1931ء) کی پرزور مہم کے اثرات کارفرما تھے۔ دسمبر 1978ء میں پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی اور ہمدرد فاؤنڈیشن کی مشترکہ کوششوں سے "مولانا محمد علی جوہر صدی کانفرنس" (مہران ہوٹل کراچی) منعقد ہوئی تھی۔ راقم الحروف نے اس کانفرنس میں "قانون بابت توہین بانیان مذاہب میں ترمیم، مولانا محمد علی جوہر کی تاریخی کامیابی" کے عنوان سے زیر نظر مقالہ پیش کیا تھا۔ واضح رہے کہ نوآبادیاتی حکومت سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی تھی کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی توہین کرنے والے کے لئے شریعت اسلامیہ کے مطابق سزا تجویز کرتی، تاہم "گئے گزرے" حالات میں بھی مسلمانان برصغیر توہین رسالت ﷺ کے مسئلے پر خاموش نہ رہے تھے اور ایک حد تک اپنی بات منوا کر رہے۔

برصغیر پاک و ہند میں خلافت اور عدم تعاون کی تحریکوں نے ہندو مسلم اتحاد کی جو فضا قائم ہوئی تھی، سوامی شردھانند کی برپا کردہ "تحریک شدھی" نے اسے غارت کردیا۔ اتحاد اور امن و آشتی کی جگہ ملک بھر میں فرقہ وارانہ فسادات شروع ہوگئے۔ آتش زنی اور قتل و غارت کی واردات روز مرہ کا معمول تھیں۔ یہ ناخوشگوار حالات آریہ سماجی مبلغوں کی تقریروں اور ان کی زہر آلود تحریروں سے مزید خراب ہو رہے تھے۔ اس دور کی دل آزار تحریروں میں سے ایک کتاب "رنگیلا رسول" تھی جو ایک آریہ سماجی ناشر راج پال نے لاہور سے شائع کی تھی۔ اس کتاب میں نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے بعض پہلوؤں اور دین اسلام پر سوقیانہ حملے کئے گئے تھے۔ کتاب پر مصنف کا نام درج نہ تھا۔ ناشر نے اپنا نام و پتہ درج کرکے پرنٹس ایکٹ کا پیٹ بھر دیا تھا۔ کتاب کا مصنف کون تھا؟ اس بارے میں دو نام لئے جاتے رہے ہیں۔ ایک نام ڈی اے وی کالج کے پروفیسر چموپتی ایم اے کا ہے اور دوسرا نام پرتاب (لاہور) کے مدیر مہاشہ کرشن کا، جن کے راج پال کے ساتھ دوستانہ اور کاروباری تعلقات تھے۔ غالب قیاس پروفیسر چموپتی کے متعلق ہے۔ میاں محمد ابوالفتح نے چموپتی لال ایم اے کو فرضی مصنف قرار دیا ہے، جو درست نہیں۔ "غازی علم الدین شہید، لاہور: مکتبہ میری لائبریری (1972ء)، ص 22)

کافی دنوں تک یہ کتاب مسلمانوں کے نوٹس میں نہ آئی۔ صوبائی حکومت کی پریس برانچ نے بھی کوئی اقدام نہ کیا۔ آخر اس کے اثرات ظاہر ہونے شروع ہوئے تو اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہوئی۔ صوبائی حکومت نے تعزیرات ہند کی دفعہ 153 الف کے تحت دو فرقوں کے درمیان مذہبی منافرت پھیلانے کے الزام میں ناشر راج پال کے خلاف کارروائی کی۔ لاہور کے سٹی مجسٹریٹ نیلبوس کی عدالت میں مقدمہ کی خاصی طویل سماعت کے بعد ملزم کو چھ ماہ قید کی سزا ہوئی۔ سیشن کورٹ میں بھی ملزم کو مجرم گردانا گیا، البتہ اس کی سزا میں تخفیف کردی گئی۔ تقریباً تین سال تک جاری رہنے والی اس کارروائی کے بعد 1927ء میں راج پال کی طرف سے نظرثانی کی درخواست ہائی کورٹ میں پیش کی گئی۔ درخواست کی سماعت کنور دلیپ سنگھ جج نے کی۔ کنور دلیپ سنگھ نے 5 مئی 1927ء کو یہ فیصلہ سنایا کہ یہ کتاب دفعہ 153 الف یا کسی اور دفعہ کی زد میں نہیں آتی، اس لئے ملزم مذکورہ کو بری کیا جاتا ہے۔

کنور دلیپ سنگھ ریاست کپورتھلہ کے حکمران خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد اپنا آبائی سکھ مذہب ترک کرکے عیسائی ہوگئے تھے اور کنور دلیپ سنگھ پیدائشی طور پر عیسائی تھے۔ رئیس احمد جعفری، افادات محمد علی، حیدرآباد، ادارہ ادبیات اردو (1945ء)، ص 173)

کنور دلیپ سنگھ کے اس فیصلے نے مسلمانوں کو حیرت زدہ کردیا۔ کیا واقعی تعزیرات ہند میں کوئی ایسی دفعہ نہ تھی جس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے تحت کروڑوں افراد کی دل آزاری کرنے والے کو سزا دی جاسکتی۔ مسلمانان لاہور سراپا احتجاج بن گئے۔ متعدد جلسے ہوئے' جلوس نکلے' مذمت کی قراردادیں منظور ہوئیں۔ سب سے بڑا اور معرکہ خیز جلسہ درگاہ حضرت شاہ محمد غوث (بیرون دہلی دروازہ) کے قریب منعقد ہوا۔ اس جلسے سے پنجاب کے آتش نوا خطیب مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے خطاب کیا۔ انہوں نے خانہ کعبہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مفتی کفایت اللہ صاحب کو مخاطب کیا۔

"لو وہ دیکھئے! ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ ؓ آپ کے دروازہ پر تشریف لاکر پوچھ رہی ہیں کہ میری ناموس اور عزت کی حفاظت کے لئے کیا انتظامات کئے جارہے ہیں۔

یہ جلسے ایسے ڈرامائی انداز میں ادا کئے گئے تھے کہ سامعین جلسہ کے جذبات بھپر گئے۔ جلسہ برخاست ہوا تو لوگ اپنے اپنے گھروں کو جانے کے بجائے سول سیکرٹریٹ کی طرف چل پڑے۔ حکومت کے خلاف نعروں سے لاہور کے درو دیوار گونج اٹھے۔ انتظامیہ نے حالات پر قابو پانے کے لئے دفعہ 144 نافذ کردی۔ جلوس منتشر کردیا گیا اور رہنماؤں کو گرفتار کرلیا گیا۔ سید عطا اللہ بخاری' غازی عبدالرحمان امرتسری اور شیخ حسام الدین ایک ایک سال کے لئے جیل بھیج دیئے گئے۔

مسلم اخبارات نے دلیپ سنگھ کے فیصلے پر سخت تنقید کی۔ لاہور سے مسلمانوں کا ایک ہی انگریزی اخبار "مسلم آؤٹ لک" چھپتا تھا۔ اس نے اپنے اداریوں میں کھل کر یہ لکھا کہ جج نے قانون کی غلط تشریح کی ہے۔ اس پر اخبار کے پرنٹر پبلشر مولوی نورالحق اور ان کے ایک عزیز (ڈمی ایڈیٹر) دلاور شاہ بخاری پر توہین عدالت کا مقدمہ دائر ہوا اور دونوں حضرات کو دو دو ماہ قید اور ایک ایک ہزار روپے جرمانے کی سزا ہوئی۔

عوامی سطح پر اس ردعمل کے پہلو بہ پہلو لاہور کے باثر مسلمانوں کا ایک وفد سر محمد شفیع کی قیادت میں گورنر میلکم ہیلی سے ملا اور اسے بگڑتی ہوئی صورتحال سے آگاہ کیا۔ گورنر نے وفد کی گزارشات سن کر وعدہ کیا کہ وہ مزید چھان بین کریں گے اور اگر واقعی قانون میں کوئی سقم معلوم ہوا تو اسے دور کرانے کی کوشش کریں گے۔ لاہور کے آریہ سماجی رہنماؤں کو گورنر کے یہ زبانی ہمدردی پسند نہ آئی۔ انہوں نے گورنر کے رویئے کے خلاف وائس رائے کو اس مضمون کا احتجاجی تار بھیجا کہ مسلمانوں کے ایک وفد نے گورنر کے سامنے عدالت عالیہ کے فیصلے پر نکتہ چینی کی اور گورنر نے اس وفد کی نقطہ نظر سے ہمدردی ظاہر کی ہے۔

"مسلم آؤٹ لک" نے مسلمانوں کو نعرہ دیا تھا "دلیپ سنگھ مستعفی ہوجاؤ" اور یہ نعرہ زبان زد عام وخاص تھا۔ توہین عدالت کے جرم میں مسلمان زنداں کے ویرانے آباد کر رہے تھے اور جوش بڑھتا جارہا تھا۔

رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر جو بقول علامہ سید سلیمان ندوی "سچے مسلمان غم خوار تھے۔" ان کے دل میں اسلام کا حقیقی سوز تھا اور رسول رحمت ؐ کے ساتھ سچا عشق تھا۔ انہوں نے 27 جون 1927ء کے "ہمدرد" (دہلی) میں کنور دلیپ سنگھ کے فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا: جو فیصلہ کنور دلیپ سنگھ نے لکھا ہے اور جسے میں نے بار بار پڑھا... اس میں مجھے کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جس سے ان کا تعصب مذہبی ظاہر ہوتا یا ان کی بددیانتی مترشح ہوتی۔

مولانا محمد علی جوہر کا تجزیہ یہ تھا کہ!

جج کے متعلق کوئی بات بھی ایسی مجھے معلوم نہیں جس بنا پر میں اس سے استعفاء طلب کروں' بلکہ اس کا فیصلہ پڑھنے کے بعد اور تعزیرات ہند کے باب ہشتم دربارہ جرائم خلاف امن عامہ کی دفعہ 153۔ الف اور باب پانزدہم دربارہ جرائم متعلق مذہب کی تمام دفعات 295' 296' 297 اور 298 کا بار بار بغور مطالعہ کرنے کے بعد مجھے خود بہت سخت شبہ ہوتا ہے کہ قصور جج کا نہیں بلکہ قانون کا ہے۔

مزید لکھتے ہیں:

میں صاف لکھنا چاہتا ہوں کہ غالباً وہ (کنور دلیپ سنگھ) پہلے جج ہیں جنہوں نے ہم پر یہ احسان کیا ہے۔ خواہ وہ کتنے ہی بھونڈے طریقے پر کیوں نہ کیا ہو کہ ہم پر ظاہر کردیا کہ تعزیرات ہند میں ایک دفعہ بھی ایسی نہیں جس کی رو سے توہین پیغمبر اسلام" توہین اسلام' پیغمبر اسلام ؐ کے خلاف نفرت پھیلانا' اسلام کے خلاف نفرت پھیلانا' مسلمانوں کی دل آزاری اور مسلمانوں کے خلاف غیرمسلموں کے دلوں میں حقارت پیدا کرنا۔ ان چھ سنگین ترین جرائم میں سے ایک بھی جرم ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس ہیجان انگیز فضا میں مولانا محمد علی جوہر کی یہ آواز بعض لیڈروں کو پسند نہ آئی۔ ان پر الزام لگایا گیا کہ وہ اپنے آکسفورڈ کے فریق کنور دلیپ سنگھ کی جانبداری کر رہے ہیں۔ مولانا جوہر کے ایک دیرینہ دوست اور قوم کے مخلص خدمت گار میر غلام بھیک نیرنگ نے انہیں ایک تند و تیز خط لکھا جس میں ان کی روش پر اظہار ناپسندیدگی کیا تھا۔ اس مکتوب کا ایک حصہ یہ تھا:

"خدا کے واسطے اب مقدمہ راج پال کی بحث کو اور ایسے مضمون کو جو اس بحث سے لفظاً یا ظاہراً یا باطناً، صراحتہً یا اشارۃً یا کنایۃً یا بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی تعلق قریب یا بعید، حقیقی یا فرضی، واقعی یا وہمی، اصلی یا مصنوعی رکھتا ہو بند کر دیجئے۔ آپ کے تمام راسخ العقیدہ نیاز مند پڑھتے پڑھتے اور سنتے سنتے تھک گئے کہ مسٹر دلیپ سنگھ نے بددیانتی نہیں کی۔"

مولانا جوہر نے اپنے ان "راسخ العقیدت نیاز مند" کو اپنے جذبہ اسلام اور ہیجان خیز ماحول سے متاثر ہو کر برہم تھے۔ جواب میں لکھا:

نوازش نامہ ابھی ملا۔ ابتدائی فقرہ پڑھا..... اس ابتدائی فقرہ کی ابتداء پر بھی نظر پڑی اور خدا کا واسطہ نظر آیا۔ اس نے مجبور کر دیا کہ جب تک آپ کی اور پنجاب کی اصلاح نہ ہو جائے، لکھے جاؤں۔"

مولانا محمد علی جوہر نے لکھنے کے ساتھ ملک بھر کا دورہ کیا۔ پبلک جلسوں سے خطاب کیا اور رہنماؤں کو دلائل و براہین سے قائل کرنے کی کوشش کی۔ جولائی 1927ء میں لکھنؤ میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا جس کی صدارت کے لئے مولانا محمد علی کو بطور خاص مدعو کیا گیا' وہاں جلسہ میں مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے رہنما اپنے روایتی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر یکجا تھے۔ نقیب اہل سنت "النجم" کے مدیر مولانا عبدالشکور فاروقی اور شیعہ کانفرنس کے سیکرٹری ایک ہی سٹیج پر مولانا محمد علی کے پہلو بہ پہلو نظر آ رہے تھے۔ عوام کے ساتھ ساتھ راجہ صاحب محمود آباد' ٹھاکر نواب علی اور دوسرے تعلقداران اودھ بھی حاضرین جلسہ میں شامل تھے۔

مولانا محمد علی جوہر نے صدارتی تقریر میں قانون میں ترمیم کرانے پر زور دیا۔ حاضرین اچھا اثر لے کر اٹھے۔ مغرب کی نماز کے بعد دوسری نشست میں دیگر مقررین کو اظہار خیال کا موقع دیا گیا۔ مولانا ظفر الملک علوی نے ایسی پرجوش اور ہنگامہ خیز تقریر کی کہ پنڈال فلک شگاف نعروں سے گونجنے لگا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہجوم بے قابو ہو کر قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔ اس عالم میں مولانا محمد علی نے تقریر کی جو ان کی صحیح اور تاریخی رہنمائی کی ایک مثال تھی۔" انہوں نے کہا:

"ایسی کتابیں اور مضامین یقیناً ہر مسلمان کا خون کھولا دینے کے لئے کافی ہیں۔ جتنا بھی جوش و خروش آپ میں پیدا ہو سب بجا ہے لیکن اصل کوشش فتنہ کے سرچشمہ کو بند کرنے کی ہونی چاہئے نہ کہ فلاں جج کو ہٹا دینے کی۔ قصور قاضی کا نہیں قصور خود قانون کا ہے۔ میں کوئی وکیل نہیں' بیرسٹر نہیں۔ قانون میں نے جو کچھ سیکھا ہے وہ بار بار ملزم کی حیثیت سے عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہو کر سیکھا ہے تو مجھ عامی کا پرزور مشورہ یہی ہے کہ آئندہ سدباب فتنہ کے لئے قانون ہی کو بدلوایئے اور تعزیرات ہند میں ایک مستقل دفعہ بڑھوا کر توہین بانیان مذاہب کو جرم قرار دیجئے۔

اب تک یہ کوئی مستقل جرم ہی آپ کے ملکی قانون میں نہیں۔"

"ہز ایکسلنسی کی گورنمنٹ کی توجہ کے لئے میں یہ عرض کروں گا کہ وہ سرکاری مسودہ قانون کی حیثیت سے اس کو پیش کرائیں۔

مولانا محمد علی کا مسودہ یہ تھا:

"جو کوئی شخص کسی کا دل دکھانے' کسی شخص کے مذہب کی توہین کرنے کی نیت سے یا اس امر کے احتمال کے علم سے کہ اس کے ذریعہ سے کسی شخص کا دل دکھے گا یا کسی شخص کے مذہب کی توہین ہوگی۔ ایسی باتوں کے ذریعے سے جو تلفظ سے ادا کی جائیں یا لکھی جائیں یا اشاروں کے ذریعہ سے یا نقوش مرتبہ کے ذریعہ سے یا اور اسی طرح کی نبی یا ولی یا اور شخص کی جسے لوگوں کا فرقہ اسی طرح مقدس سمجھتا ہے' توہین کرے یا اس کی نسبت ایسا اتہام لگائے یا مشتہر کرے جس سے اور لوگوں میں اس کی ملکات کی خفت ہو تو اس کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد تین برس تک ہو سکتی ہے یا جرمانہ کی سزا یا دونوں میں دی جائیں گی۔ (رئیس احمد جعفری' سیرت محمد علی جوہر حوالہ مذکورہ ص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(488-487)

روزنامہ "ہمدرد" کے اداریوں اور مولانا محمد علی جوہر کی زبانی تقریروں سے حکومت ہند نے اس "ترمیم" کی اہمیت تسلیم کرلی۔ چنانچہ دفعہ 295 میں ترمیمی بل (دفعہ 295 الف) حکومت ہند کے ہوم ممبر 15 نے ہندوستان کی قانون ساز اسمبلی میں 5 ستمبر 1927ء کو پیش کیا۔

"سیرت محمد علی" میں ہے کہ یہ قانون اسمبلی میں نواب ذوالفقار علی خان نے پیش کیا تھا۔ (ص 489) یہ روایت درست نہیں۔ نواب ذوالفقار علی خان، قائد اعظم محمد علی جناح کی تجویز سے مجلس منتخبہ کے رکن لئے گئے تھے۔

ہوم ممبر نے اس بل کو سترہ ارکان پر مشتمل مجلس منتخبہ (سلیکٹ کمیٹی) کے سپرد کرنے کی تجویز کی جو سات روز کے اندر اپنی رپورٹ ایوان میں پیش کرے۔ ہوم ممبر نے مسودہ کے اغراض و مقاصد پر طویل تقریر کی۔ انہوں نے مجموعہ تعزیرات ہند میں موجودہ دفعات کو توہین مذہب کے سلسلے میں ناکافی قرار دیا اور تجویز کیا کہ ملک کی موجودہ صورِ تحال کے پیش نظر یہ ترمیمی بل فوراً منظور کرایا جائے۔

اس مسودہ پر ارکان اسمبلی سے مشرقی پنجاب کے مسلمان رکن جناب عبدالحئی نے حکومت کو مبارکباد پیش کی۔ بمبئی کے جناب ڈی وی بیلوی نے مزید یہ ترمیم پیش کی کہ بل کو مجلس منتخبہ کے سپرد کرنے کے بجائے رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے مشتہر کیا جائے۔ جناب بیلوی کی اس ترمیم پر ارکان اسمبلی نے بحث و تمحیص کی۔ اسمبلی کی کارروائی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف جملہ مسلمان ارکان بل کو جلد از جلد قانون کی شکل دینا پسند کرتے تھے تو دوسری طرف ہندو ارکان کی ایک خاصی تعداد تاخیری حربے استعمال کرنا چاہتی تھی۔

بحث و تمحیص کے بعد ایوان سے رائے لی گئی جس نے جناب بیلوی کی ترمیم مسترد کردی اور بل کا مسودہ مجلس منتخبہ کے سپرد کردیا گیا۔

مجلس منتخبہ کی رپورٹ پر اسمبلی نے 16 ستمبر تک غور کیا۔ جناب بیلوی نے دوبارہ یہ رائے دی کہ مجلس کی رپورٹ 15 جنوری 1928ء تک رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے شائع کردی جائے۔ رپورٹ پر دلچسپ بحث ہوئی۔ بعض ہندو ارکان نے اس بل کا مذاق اڑانے کی کوشش کی اور ترمیم پیش کی کہ یہ بل صرف مسلمانوں کے پیغمبر سے مخصوص ہونا چاہئے۔

مسلمان ارکان میں سے یوپی کے تصدق احمد خان شیروانی کا نقطہ نظر تعجب انگیز تھا۔ وہ ذاتی طور پر اس قانون کو غیر ضروری قرار دیتے تھے مگر جس حلقے کی نمائندگی کرتے تھے اس کے سات شہروں میں سے چار نے بل کے حق میں قراردادیں منظور کی تھیں۔ اس لئے وہ بھی بل کی حمایت کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے تھے۔

تین دن کی طویل بحث کے بعد مسودہ قانون رائے شماری کے لئے ایوان میں پیش کیا گیا۔ 26 ووٹوں کی مخالفت اور 61 ووٹ کی موافقت سے مسودہ قانون منظور کیا گیا اور 19 ستمبر کو کونسل آف سٹیٹ کو بھیج دیا گیا۔ ان 26 مخالف ارکان میں سے کوئی مسلمان رکن نہیں تھا۔

21 ستمبر 1927ء کو کونسل آف سٹیٹ کے سامنے مسودہ قانون پیش ہوا۔ کونسل میں بھی وہی رجحان تھا کہ ہندو ارکان کی معتدبہ تعداد مسودے کی مخالفت کر رہی تھی اور مختلف ترامیم کے ذریعہ اس کے دائرہ اثر کو محدود کرنا چاہتی تھی۔ بحث کے بعد مسودے پر رائے شماری ہوئی اور کثرت رائے سے منظور ہوا۔

ان تمام مراحل سے گزر کر وہ "مسودہ قانون" جو مولانا محمد علی جوہر کی غور و فکر کا نتیجہ تھا اور قانوناً برطانوی حکومت ہند کے ہوم ممبر نے پیش کیا تھا، دفعہ 295 الف کی صورت میں مجموعہ تعزیرات ہند اور بعد میں مجموعہ تعزیرات "پاکستان" میں شامل ہوا۔

○

© rasailojaraid.com